یکساں سول کوڈ: قانونی اور تاریخی جائزہ

مولانا عتیق احمد بستوی
(سکریٹری مجلس تحقیقات شرعیہ، ندوۃ العلماء، لکھنو)

مئی ۱۹۹۵ء میں سپریم کورٹ کی ایک بنچ جو (جسٹس کلدیپ سنگھ اور جسٹس آر اے سہائے) پر مشتمل تھی اس نے تبدیلیٔ مذہب کے بعد دوسری شادی کے بارے میں ایک فیصلہ دیا۔

کیس کی نوعیت یہ تھی کہ چار ہندو عورتوں نے اپنے شوہروں کے خلاف یہ دعوی کیا تھا کہ ان کے شوہروں نے اسلام قبول کیا اور دوسری شادی کر لی، لہذا ان کے شوہروں پر تعزیرات ہند کی دفعہ ۴۹۴ کا اطلاق کرتے ہوئے دوسری شادی کو باطل قرار دیا جائے اور سزا نافذ کی جائے، سپریم کورٹ کی مذکورہ بالا بنچ نے ہندو عورتوں کی دادرسی کرتے ہوئے ان کے نومسلم شوہروں کی دوسری شادی کو باطل اور غیر قانونی قرار دیا اور کہا ایک ہندو شوہر کا مذہب اسلام قبول کر لینے کے بعد دوسری شادی کر لینا انصاف، مساوات اور نیک چلنی کی صریح خلاف ورزی ہے اور انصاف کی اصل روح کی بنیاد پر شادی ناجائز ہے۔

سپریم کورٹ کی مذکورہ بالا بنچ نے اصل مقدمہ کا فیصلہ کرنے کے ساتھ حکومت ہند کو یونیفارم سول کوڈ کے نفاذ کی طرف متوجہ کیا اور مرکزی حکومت کو ہدایت دی کہ اگست ۱۹۹۶ء تک ایک حلف نامہ داخل کرے جس میں اس بات کی وضاحت ہو کہ تمام شہریوں کے لئے یکساں سول کوڈ نافذ کرنے کے سلسلے میں اس نے کیا کیا اقدامات کئے۔

احقر نے اس وقت سپریم کورٹ کے مذکورہ بالا فیصلے اور یونیفارم سول کوڈ کے نفاذ پر کورٹ کے زور دینے کے بارے میں ایک تفصیلی مضمون لکھا تھا جس میں مذکورہ بالا فیصلے کا قانونی ودستوری تجزیہ تھا اور یونیفارم سول کوڈ کے مسئلہ کا قانونی اور تاریخی جائزہ پیش کیا تھا، یہ مضمون میری کتاب ''ہندوستان میں نفاذ شریعت'' میں شائع ہوا۔ (ص ۴۷ تا ۸۲)

اس وقت مرکز میں کانگریس پارٹی کی حکومت تھی، سپریم کورٹ کے مذکورہ فیصلہ کے بعد یونیفارم سول کوڈ پر بحث پورے ملک میں پھر زندہ ہوگئی تھی، جن صوبوں میں بی جے پی کی حکومت تھی ان میں سے بعض صوبوں نے اپنے یہاں یونیفارم سول کوڈ مرتب اور لاگو کرنے کے عزم وارادہ کا اظہار کردیا تھا۔

اس وقت ملک میں یونیفارم سول کوڈ کی بحث پھر زور وشور کے ساتھ جاری ہے اس وقت مرکز اور اکثر صوبوں میں بھارتیہ جنتا پارٹی برسر اقتدار ہے اس کے مینوفیسٹو میں بھی یونیفارم سول کوڈ بنانے اور نافذ کرنے کا وعدہ شامل رہا ہے لیکن اس وقت مرکزی حکومت سے بڑھ کر بھاجپا کی بعض صوبائی حکومتیں یونیفارم سول کوڈ کی تیاری اور نفاذ کے لئے زیادہ پر جوش نظر آرہی ہیں، موضوع کے مختلف پہلوؤں سے ہمارا واقف ہونا ضروری ہے اس لئے اپنے مذکورہ بالا مضمون کا اتنا حصہ جو ''یکساں سول کوڈ کے مسئلہ کا قانونی اور تاریخی جائزۂ'' پر مشتمل ہے ذیل میں نقل کیا جاتا ہے تا کہ اس مسئلہ کی سنگینی اور اس کی صحیح نوعیت ہمارے سامنے واضح ہو۔

یونیفارم سول کوڈ (یکساں شہری قانون) کا حساس اور نازک مسئلہ دستور ہند سے جڑا ہوا ہے اس لئے سب سے پہلے دستور ہند کی روشنی میں اس مسئلہ کا جائزہ لینا ضروری ہے۔

آزاد ہندوستان کی آئین ساز اسمبلی میں خواندگی اور بحث وتمحیص کے بعد موجودہ دستور ہند ۲۹ رنومبر ۱۹۴۹ء کو منظور ہوا، کچھ دفعات فوری طور پر نافذ کردی گئیں اور باقی آئین کے نفاذ کے لئے ۲۶ رجنوری ۱۹۵۰ء کی تاریخ طے پائی۔

۱۹۴۷ء میں ملک آزاد ہوا تقسیم ملک کے نام پر پیدا ہونے والے لرزہ خیز حالات

نے ہندوستان میں مسلمانوں کے مستقبل کے بارے میں سوالیہ نشان لگا دیا، برادران وطن کا ذہن یہ تھا کہ جب مسلمانوں نے پاکستان بنوالیا تو اب انہیں ہندوستان میں رہنے کا کیا حق ہے، ہندوستان کے بچے کھچے مسلم قائدین اس کوشش میں شب وروز لگے ہوئے تھے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کے پاؤں جم جائیں ان کے دلوں سے خوف وہراس دور ہو، ان ہنگامہ خیز اور غیر معتدل حالات میں دستور ہند مرتب اور منظور ہوا۔

دفعہ ۴۴ دستور ہند میں کس طرح شامل ہوئی

یکساں سول کوڈ کا تصور ہماری جدوجہد آزادی کے دور میں کہیں بھی موجود نہیں تھا، بلکہ اس کے برعکس جمعیۃ علماء ہند نے کانگریس کا ساتھ اسی شرط پر دیا تھا کہ مسلمانوں کو آزادی کے بعد اپنے دینی معاملات شریعت کے مطابق طے کرنے کا اختیار ہوگا اور ان کے پرسنل لا (عائلی قوانین) میں کوئی مداخلت نہ کی جائے گی۔

یونیفارم سول کوڈ کا تصور اچانک ابھر کر اس وقت سامنے آیا جب کہ آئین ساز اسمبلی ملک کا آئین تیار کرنے میں مصروف تھی، اس مرحلہ میں بنیادی حقوق سے متعلق ذیلی کمیٹی کی ۲۸/مارچ ۱۹۴۷ء کی میٹنگ میں مسٹر ایم۔ آر مسانی کی طرف سے ایک تجویز رکھی گئی کہ بنیادی حقوق میں ایک شق یکساں سول کوڈ کی بھی شامل کی جائے جس کا اطلاق بلا تفریق مذہب تمام شہریوں پر ہو پہلے مرحلہ میں کمیٹی کی اکثریت نے یہ تجویز مسترد کردی لیکن ۳۰/مارچ ۱۹۴۷ء کی میٹنگ میں تجویز پھر پیش ہوئی، اس کے بعد ذیلی کمیٹی نے معمولی اکثریت سے یہ فیصلہ کیا کہ یکساں سول کوڈ کی ایک کلاز سماجی پالیسی کے رہنما اصولوں میں شامل کرلی جائے۔

پارلیمنٹ میں جب دستور ہند کی خواندگی ہوئی اور دفعہ ۴۴ جو یکساں سول کوڈ کو آئینی حیثیت دینے پر مشتمل ہے زیر بحث آئی تو بہت سے مسلم ممبران نے اس کے خلاف آواز اٹھائی، اور دفعہ ۴۴ کے مضر اثرات کو ختم کرنے کے لئے مختلف ترمیمات پیش کیں لیکن یہ ترمیمات منظور نہ ہوسکیں مثلاً محمد اسماعیل صاحب مرحوم کی پیش کردہ بعض ترمیمات یہ ہیں:

(۱) دفعہ ۳۵ میں درج ذیل شق کا اضافہ کردیا جائے ''کسی گروپ یا فرقہ کو اپنے پرسنل لا سے دستبردار ہونے کے لئے مجبور نہیں کیا جائے گا، اگر اس کے پاس ایسا قانون موجود ہے''۔ (آئین ساز اسمبلی ڈیبیٹ، جلد ۷ ص ۵۴۰)

(۲) دفعہ ۱۳ کی کلاز (۱) کی سب کلاز (جی) میں یہ نیا سب کلاز جوڑ دیا جائے ''کوئی شخص جس گروپ یا فرقے سے تعلق رکھتا ہو یا اس سے تعلق کا اظہار کرتا ہو اس کے پرسنل لا پر عمل کرنے کی آزادی''۔ (آئین ساز اسمبلی ڈبیٹ، جلد ۷ ص ۷۲۱)

طویل بحثوں کے باوجود مسلم ممبران پارلیمنٹ کی پیش کردہ ترمیمات جن کا مقصد پرسنل لا کو دفعہ ۴۴ کی زد سے بچانا تھا منظور نہ ہوسکیں، ترمیم کا مطالبہ کرنے والوں کو ڈاکٹر امبیڈکر نے یہ کہہ کر مطمئن کرنے کی کوشش کی:

''یہ محض حکومت کو اختیار دیا جا رہا ہے جس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مذہبی، شخصی قوانین کو ختم کردینا ضروری ہوگا، خواہ ملک کے مسلمان، عیسائی یا کوئی اور فرقہ اس سے کتنا ہی اختلاف کیوں نہ کرے، کسی کو یہ خطرہ نہ ہونا چاہئے کہ صرف اختیار کے مل جانے کی وجہ سے حکومت اس پر عمل کے لئے اصرار کرے گی۔

حکومت کے اختیار عملاً محدود ہوا کرتے ہیں، خواہ لفظی طور پر آپ انہیں کتنا ہی غیر محدود کرلیں، کیونکہ حکومت اپنے اختیارات کا استعمال اس طرح نہیں کرسکتی جس کے نتیجہ میں مسلمان بغاوت پر آمادہ ہوجائیں، اگر حکومت کسی وقت ایسا کرنے کی سوچے تو اسے فاتر العقل کہنا چاہئے۔''

خلاصہ یہ کہ بہت سے ممبران پارلیمنٹ کی زوردار مخالفت کے باوجود دفعہ ۴۴ بلا کسی ترمیم و اضافہ کے منظور کرلی گئی، اس طرح ہمارا دستور ایک کھلے ہوئے تضاد کا شکار ہوگیا۔

ایک طرف اس دستور کے حصہ سوم میں بنیادی حقوق کے تحت دفعہ ۲۵ میں لکھا گیا ''تمام اشخاص کو آزادئ ضمیر اور آزادی سے مذہب قبول کرنے اس کی پیروی اور اس کی تبلیغ کرنے کا مساوی حق ہے، بہ شرط یہ کہ امن عامہ، اخلاق عامہ، صحت عامہ اور اس حصہ کی

دیگر توضیحات متأثر نہ ہوں۔(ص۴۶)

دوسری طرف حکومت کو اختیار دیا گیا بلکہ ہدایت دی گئی کہ یکساں سول کوڈ نافذ کر کے مذہب پر عمل کرنے کی آزادی سلب کرے۔

دستور کی دفعہ ۲۵ اور دفعہ ۴۴ میں تضاد

دستور کی ان دو دفعات ۲۵،۴۴ کا تضاد سمجھنے کے لئے ہمیں کچھ تفصیل سے دستور ہند پر نظر ڈالنی ہوگی۔

دستور ہند بائیس حصوں پر مشتمل ہے، پہلے حصہ میں مملکت اور اس کے علاقوں کی تعین و تفصیل بیان کی گئی ہے، حصہ دوم میں ہندوستانی شہریت کے قوانین بیان کئے گئے ہیں۔

دستور کے حصہ سوم میں ہندوستانی شہریوں کے آئینی حقوق تفصیل سے درج کئے گئے ہیں، دستور ہند کے اس حصہ کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ بنیادی حقوق کے تحت دفعہ ۱۳ میں تحریر ہے۔

(۱) وہ سب قوانین جو اس آئین کی تاریخ نفاذ سے عین قبل بھارت کے علاقہ میں نافذ ہوں، جہاں تک وہ اس حصہ کے متناقض ہوں تناقض کی حد تک باطل ہوں گے۔

(۲) مملکت ایسے قانون نہ بنائے گی جو اس حصہ سے عطا کئے ہوئے حقوق کو چھین لے یا ان میں کمی کرے اور کوئی قانون جو اس فقرہ کی خلاف ورزی میں بنایا جائے خلاف ورزی کی حد تک باطل ہوگا۔

بنیادی حقوق کے اس حصہ میں بہت سے حقوق ہیں مثلاً مساوات کا حق، حق آزادی، آزدیٔ مذہب کا حق، ثقافتی اور تعلیمی حقوق، آئینی چارہ جوئی کا حق وغیرہ۔

دفعہ ۲۵ تا ۲۸ کا تعلق مثبت یا منفی طریقہ پر آزادی مذہب سے ہے دفعہ ۲۵ میں کہا گیا ہے۔

دفعہ ۲۵(۱) تمام اشخاص کو آزادی ضمیر اور آزادی سے مذہب قبول کرنے، اس کی پیروی اور اس کی تبلیغ کرنے کا مساوی حق ہے، بہ شرطیکہ امن عامہ، اخلاق عامہ، صحت عامہ

اوراس حصہ کی دیگر توضیعات متأثر نہ ہوں۔

(۲) اس دفعہ کا کوئی امر کسی ایسے موجودہ قانون کے نفاذ کو متأثر نہ کرے گا اور نہ وہ ایسے قانون کے بنانے میں مملکت کا مانع ہوگا جو

(الف) کسی معاشی، مالیاتی، سیاسی یا دیگر غیر مذہبی سرگرمی کو جس کا تعلق مذہبی عمل سے ہوسکتا ہو منضبط کرے یا اس پر پابندی لگائے۔

زیر بحث دفعہ ۲۵ میں آزادی مذہب کے حق کو امن عامہ، اخلاق عامہ، اور صحت عامہ کی زنجیروں سے جکڑ کر عدلیہ اور انتظامیہ کو لامحدود اختیارات دیدیے گئے ہیں کہ جس مذہبی عمل اور سرگرمی کو چاہیں اخلاق عامہ، امن عامہ، صحت عامہ کے لئے مضرت رساں ہونے کے بہانے روک دیں اور اس پر قانونی پابندی عائد کردیں۔

دستور کا چوتھا حصہ مملکت کی حکمت عملی کے رہنما اصول پر مشتمل ہے اس حصہ کی دفعات کے بارے میں دفعہ ۳۷ میں تحریر ہے۔

اس حصہ کی دفعات کوئی عدالت نافذ نہ کرسکے گی لیکن اس کے باوجود وہ اصول جو اس میں قلمبند کئے گئے ہیں مملکت کی حکمرانی کے لئے بنیادی ہیں اور مملکت کا فرض ہوگا کہ قوانین بنانے میں ان اصولوں کا اطلاق کرے۔

دستور کے حصہ چہارم (دستور کے رہنما اصول) کی دفعہ ۴۴ میں کہا گیا ہے۔

ریاست کوشش کرے گی کہ پورے ملک میں شہریوں کے لئے یکساں شہری قانون ہو۔

اوپر تفصیل سے یہ بات گذر چکی ہے کہ مسلمان ممبران پارلیمنٹ کی شدید تر مخالفتوں کے باوجود یکساں سول کوڈ کی دفعہ (دفعہ ۴۴) مملکت کے رہنما اصولوں میں شامل کرلی گئی، آئین ساز اسمبلی میں ایک طاقتور لابی موجود تھی جو مذہب کی عملداری انتہائی محدود کرنے بلکہ اسے ختم کرنے پر تلی ہوئی تھی، زندگی کے دوسرے میدانوں سے مذہب کی عملداری پہلے ہی ختم ہوچکی تھی۔

شریعت ایکٹ کا پس منظر ۱۸۵۷ء کے بعد انگریزوں نے بڑی تیز رفتاری کے

ساتھ عدلیہ کا پورا ڈھانچہ تبدیل کر کے رکھ دیا، ۱۸۶۲ء میں اسلامی تعزیرات کو منسوخ کر کے تعزیرات ہند کا نفاذ عمل میں آیا، ۱۸۶۴ء میں زبردست قدم اٹھاتے ہوئے برطانوی حکومت ہند نے مسلمان قاضیوں کی تقرری موقوف کردی، ۱۸۶۴ء سے قبل ہر علاقہ میں حکومت کی طرف سے مسلمان قاضی مقرر کیے جاتے تھے جو مسلمانوں کے خانگی اور عائلی تنازعات میں شریعتِ اسلامی کے مطابق فیصلے دیا کرتے تھے، ۱۸۷۲ء میں اسلامی قانون شہادت کی حکمرانی عدالتوں سے ختم کردی گئی، اس کی جگہ انسانی ذہنوں کا تراشا ہوا قانون شہادت نافذ کیا گیا، غرضیکہ ایک ایک کر کے اسلامی قصر عدالت کی ساری اینٹیں جدا کر کے پورے عدالتی نظام کو غیر اسلامی خطوط پر استوار کیا گیا اور یہ سب کچھ سنگینوں کی نوک پر اور جبر وتشدد کے سہارے کیا گیا، مسلمانوں کی آہ وفریاد اور نالہ واحتجاج نے کوئی اثر نہیں کیا۔

انگریزوں نے یہ سب کارروائیاں جوش غضب اور جذبۂ انتقام میں کیں، انہیں اس بات کا بے پناہ غصہ تھا کہ ہندوستانی مسلمانوں نے برطانوی سامراج کا استقبال کرنے کے بجائے قدم قدم پر اس کی شدید مزاحمت کی اور ہندوستان سے انگریزوں کا اقتدار ختم کرنے کے لئے ہر خطرہ مول لیا۔

امتدادِ زمانہ کے ساتھ انگریزوں کے جذبۂ انتقام میں کچھ کمی ہوئی، انگریز حکام نے محسوس کیا کہ برطانوی حکومت ہند سے مسلمانوں کی نفرت وعداوت کا سب سے اہم سبب ان کے دینی معاملات میں صریح مداخلت ہے، بالآخر مرکزی مجلس قانون ساز کے مسلم اراکین کی تحریک اور کوششوں سے ۱۹۳۷ء میں شریعت ایکٹ منظور ہوا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ''وراثت، نکاح، فسخ نکاح بشمول طلاق، ایلاء، ظہار، لعان، خلع، مبارات، نفقہ، مہر، ثبوتِ نسب، امانت، جائداد، حق شفعہ، ہبہ، اوقاف کے معاملات میں مسلمانوں پر لازمی طور پر پرسنل لا کا اطلاق اختیار ہوگا۔''

شریعت ایکٹ منظور ہونے سے ہندوستان میں اسلام کے عائلی قوانین کو بڑی حد تک تحفظ حاصل ہوا۔

تحریک آزادی اور مسلم پرسنل لا

بیسیوں صدی کے ابتدائی دہوں میں پورا ہندوستان تحریک آزادی کے نعروں سے گونج رہا تھا، ہندوستان کی تمام قومیں ہندوستان کی آزادی کے لئے جان ومال کی بازی لگا رہی تھیں، ہندوستانی مسلمان جدوجہد آزادی کا ہراول دستہ تھے، تحریک آزادی میں مسلمان علماء، قائدین اور عوام اپنے ملی تناسب آبادی سے کہیں زیادہ حصہ لے رہے تھے، کانگریس کے صف اول کے قائدین میں بہت سے علماء اور مسلم رہنما شامل تھے، جمعیۃ علماء ہند کانگریس کے شانہ بشانہ جدوجہد آزادی میں شریک تھی، اس لئے آزادی سے پہلے کانگریس نے اپنے متعدد سالانہ کانفرنسوں کی قراردادوں میں مسلم پرسنل لا کے تحفظ کے مسئلہ کو شامل کیا، مسلمانوں سے صریح وعدہ کیا اور یقین دہانی کرائی کی آزادی کے بعد مسلم پرسنل لا کا پورا تحفظ کیا جائے گا اور اس میں کسی قسم کی مداخلت نہیں کی جائے گی۔

دستورِ ہند اور مسلمان

آزادی کی صبح بڑی قربانیوں اور تمناؤں کے بعد طلوع ہوئی لیکن یہ صبح جس کا مدتوں سے انتظار تھا مسلمانوں کے لئے بڑی بھیانک ثابت ہوئی، تقسیم ملک کے نتیجہ میں نفرت وعداوت کا بادل پورے ملک پر چھا گیا، بے گناہوں کے خون سے ہندوستان کی سرزمین لالہ زار ہوگئی، مسلمانوں نے آزادی کا جو سہانا خواب دیکھا تھا وہ بکھر کر رہ گیا، انہیں حالات میں جب کہ ہندوستان میں مسلمانوں کے وجود و بقا پر سوالیہ نشان لگ گیا تھا دستورِ ہند مرتب اور منظور ہوا، ہندوستان میں بچے کھچے مسلم قائدین اس جدوجہد اور فکر میں لگے ہوئے تھے کہ ہندوستان سے مسلمانوں کے پیر اکھڑ نہ جائیں، دستور ہند کے واضعین نے مذہب، زبان، تہذیب کی آزادی کو بنیادی حقوق میں شامل ضرور کیا لیکن مذہب کی آزادی کا دائرہ کہاں تک ہے اس کے بارے میں مکمل خاموشی اختیار کی اور اس کے دائرہ کا تعین عملاً عدلیہ اور انتظامیہ کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا۔ حیرت یہ ہے کہ جس دستورِ ہند میں پسماندہ اقوام اور

بعض اقلیتوں کے تعلق سے معمولی جزئیات کی تفصیل موجود ہے اسی دستور میں اقلیتوں کے پرسنل لا کے تحفظ سے متعلق ایک جملہ بھی موجود نہیں ہے، مسلم اراکین پارلیمنٹ نے ایسی بعض دفعات دستور میں شامل کرانے کی کوشش کی لیکن انہیں ناکامی ہوئی، ستم بالائے ستم یہ ہے کہ دستور میں مسلم اراکین کی مخالفت کے باوجود یکساں سول کوڈ کی دفعہ (دفعہ ۴۴) شامل کر دی گئی، واضعین دستور نے دفعہ ۴۴ شامل کر کے اقلیتوں خصوصاً مسلمانوں کے سروں پر ننگی تلوار لٹکا دی تا کہ جب بھی حالات سازگار ہوں اقلیتوں کے پرسنل لا کا سر قلم کیا جا سکے۔

یکساں سول کوڈ کی تشکیل وتنفیذ کی کوشش

یکساں سول کوڈ کی تدوین وتنفیذ کی دفعہ (دفعہ ۴۴) کو دستور میں شامل کرتے وقت قانون ساز اسمبلی میں جو بحثیں ہوئیں ان سے صاف ظاہر ہے کہ پرسنل لا کو مذہب سے دائمی طور پر جدا کرنے کے مقصد سے یہ دفعہ دستور میں شامل کی گئی، دستوری طور پر پارلیمنٹ کو یکساں سول کوڈ کی تشکیل وتنفیذ کا اختیار دیا گیا بلکہ حکومتِ ہند کو ہدایت دی گئی ہے کہ وہ اس سلسلہ میں پوری کوشش کرے۔

حکومتِ ہند اپنی اس ''ذمہ داری'' سے غافل بھی نہیں ہے، مسلم پرسنل لا کو ختم کر کے یونیفام سول کوڈ نافذ کرنے کے لئے کسی مناسب موقع کی تلاش میں ہے، اپنے کو مسلمان کہنے والے ان تجدد پرستوں کے مہمل خیالات کو ہوا دی جارہی ہے جو اسلام کے عائلی قوانین میں اصلاح وتبدیلی کا مطالبہ کررہے ہیں، مغرب پرست مسلم خواتین کی تنظیمیں قائم کرا کے مسلم پرسنل لا کو عورتوں کے حق میں ظلم عظیم ثابت کرنے کی کوششیں جاری ہیں، اس بات کی برابر کوشش جاری ہے کہ مسلمانانِ ہند کا ایک معتد بہ طبقہ مسلم پرسنل لا کو ختم کر کے یکساں سول کوڈ نافذ کرنے کا مطالبہ لے کر اٹھ کھڑا ہو، تا کہ یہ کہا جا سکے کہ ہم نے خود مسلمانوں کے مطالبہ پر یہ اقدام کیا ہے، ہمارا قومی پریس اسلام کے عائلی قوانین کو ہدف بنانے والے واہی تباہی مضامین کو شہ سرخیوں میں جگہ دیتا ہے اور اسلامی قوانین کی حمایت میں لکھے گئے فاضلانہ مضامین اور مراسلوں کو کسی گوشہ میں بھی شائع کرنے کا روادار نہیں۔

دستورِ ہند میں اس بات کی صراحت کردی گئی ہے کہ ’’رہنما اصول‘‘ کی دفعات عدالتوں کے ذریعہ قابلِ نفاذ نہیں، اس کے باوجود شاہ بانو کیس کے فیصلہ (۱۹۵۸ء) سے لے کر سپریم کورٹ کے حالیہ فیصلہ (مئی ۱۹۹۵ء) تک عدالت عالیہ کے معزز جج صاحبان اپنے اختیارات سے تجاوز کرتے ہوئے دفعہ ۴۴ کے نفاذ پر مسلسل اصرار کررہے ہیں اور اپنے تہلکہ خیز فیصلوں کے ذریعہ حکومت کو یکساں سول کوڈ کے نفاذ کے لئے مہمیز کرتے رہتے ہیں۔

مذہبی آزادی اور مذہبی عمل کی تشریح

مذہبی آزادی اور مذہبی عمل کی تشریح وتعبیر میں سپریم کورٹ کے مختلف فیصلوں کا جائزہ بہت سے چونکا دینے والے حقائق کا انکشاف کرتا ہے، ہندوؤں کی طرف سے دائر مقدمات میں وہ سارے کام مذہبی عمل قرار دیئے جاتے ہیں جنہیں برادران وطن مذہبی عمل شمار کرنا چاہیں حتی کہ مختلف یاترائیں نکالنا اور متنازعہ مقامات پر کسی بھی مذہبی عنوان سے لاکھوں کا مجمع اکٹھا کرنا مذہبی عمل قرار پاتا ہے خواہ ان کی اجازت دینے سے پورے ملک کا امن وامان درہم برہم ہوجائے اور شدید خونریزی کا خطرہ ہو، اس کے برخلاف اگر عدالتِ عالیہ میں مسلمانوں کا معاملہ زیر بحث ہوتو مذہبی آزادی اور مذہبی عمل کا دائرہ انتہائی محدود ہوجاتا ہے، نکاح وطلاق وغیرہ کے معاملات کو مذہبی عمل میں داخل کرنا قابل غور ہوجاتا ہے، غرضیکہ مذہبی آزادی اور مذہب پر عمل کی تشریح میں عدالتِ عالیہ کے بہت سے فاضل جج صاحبان کے پاس دو پیمانے ہیں اکثریت کے لئے ایک پیمانہ اور اقلیت کے لئے دوسرا پیمانہ۔

یکساں سول کوڈ اور مسلمان

ملک کی آزادی کے بعد (انتہائی مختصر مدت کو چھوڑ کر) مرکز میں کانگریس کی حکومت رہی، آزادی کے چند سال بعد ہندو قوم کے لئے مختلف عائلی قوانین پارلیمنٹ میں منظور کئے گئے جو ہندو کوڈ بل کے نام سے مشہور ہوئے، ہندو کوڈ بل کو بہت سے مذہبی ہندوؤں نے پسند نہیں کیا اور اسے مذہب میں مداخلت قرار دیا لیکن سیاسی رہنماؤں نے ہندو ارکین

پارلیمنٹ کو یہ ذہنی رشوت دی کہ ہندو کوڈ بل کی منظوری یکساں سول کوڈ کے لئے مضبوط قدم ہے جب ہندو قوم پارلیمنٹ کے ذریعہ منظور شدہ عائلی قوانین قبول کرلے گی تو مسلم پرسنل لا کو ختم کرنا اور یکساں شہری قانون کو نافذ کرنا انتہائی آسان ہوجائے گا، حکومت کے ذمہ داروں کی طرف سے وقتاً فوقتاً یہ باتیں کہی جاتی رہیں اور مسلمانوں کو کبھی دھمکا کر اور کبھی نرم لہجہ میں یکساں سول کوڈ کو قبول کرنے پر آمادہ کرنے کی کوششیں جاری ہیں۔

جب ہندو پرسنل لا کو نئی شکل دی جارہی تھی اس وقت کے مرکزی وزیر قانون مسٹر پاٹکر نے کہا تھا ''ہم نے اپنے آئین کے نفاذ (۲۶؍جنوری ۱۹۵۰ء) کے بعد اسپیشل میرج ایکٹ، ہندو میرج ایکٹ پاس کیے ہیں اب ہندو قانونِ وراثت کا مسودہ پارلیمنٹ میں زیر غور ہے یہ سب ضابطۂ دیوانی یکساں بنانے کے اقدامات ہیں''۔ (۲۵؍اگست ۱۹۵۵ء کی ریڈیائی تقریر)

۱۹۶۳ء میں حکومت نے ایک کمیشن مقرر کرنا چاہا تھا جس کا مقصد مسلم پرسنل لا میں تبدیلی پر غور وفکر اور اس کے لئے عملی راہوں کو تلاش کرنا تھا، مسلمانوں کی ہمہ گیر مخالفت کے نتیجہ میں یہ کمیشن مقرر نہیں کیا گیا اور وزیر قانون نے پارلیمنٹ میں یہ کہہ کر بحث ختم کردی کہ حکومت اس وقت مسلم پرسنل لا میں کوئی ترمیم کرنا مناسب نہیں سمجھتی۔

۱۹۷۳ء میں مرکزی وزیر قانون مسٹر گوکھلے نے متبنی بل کو پیش کرتے ہوئے پارلیمنٹ میں کہا، یہ مسودۂ قانون یونیفارم سول کوڈ کی طرف ایک مضبوط قدم ہے۔

مارچ ۱۹۷۳ء میں گوجندر گڈکر (چیرمین لا کمیشن) نے کہا تھا: ''مسلمانوں کو یونیفارم سول کوڈ قبول کرنے کے لئے اپنے آپ کو آمادہ کرلینا چاہئے، اگر انہوں نے خوش دلی کے ساتھ یہ تجویز منظور نہیں کی تو قوت کے ذریعہ نافذ کیا جائے گا۔''

حکومت کی طرف سے یکساں سول کوڈ کے لئے فضا ہموار کرنے، خصوصاً مسلمانوں کو مسلم پرسنل لا سے دستبرداری پر آمادہ کرنے کے لئے کوششیں برابر جاری رہیں، مسلمانوں کی نبض ٹٹولنے اور ان کے سیاسی موڈ کا اندازہ لگانے کے لئے بہت تھوڑے تھوڑے عرصہ

میں یکساں سول کوڈ کا شوشہ چھوڑا جاتا رہا اور اب تک یہ سلسلہ جاری ہے، سپریم کورٹ کا زیر بحث فیصلہ بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔

ہندو عائلی قوانین میں اصلاح کا مقصد

یہ کہنا بہت بڑی فریب دہی ہے کہ ہندو قوم ملک کی یکجہتی اور قانون میں یکسانیت لانے کے لئے اپنے عائلی قوانین (پرسنل لا) میں تبدیلی واصلاح پر آمادہ ہوئی اور اس نے ملک کے مفاد کے لئے اپنے مذہبی جذبات کی قربانی دی، واقعہ یہ ہے کہ ہندو مذہب میں انسانی فطرت سے میل کھاتے ہوئے قابل عمل عائلی قوانین موجود ہی نہیں، ہندوؤں کی مختلف قوموں اور ان کے مختلف خطوں میں شادی بیاہ وغیرہ کے تعلق سے الگ الگ رسم ورواج تھے اور یہ رسم ورواج انتہائی متضاد اور مختلف تھے، بیوہ عورتوں کو دوسری شادی کا حق نہیں تھا، ان کے لئے کمال کی بات یہ تھی کہ اپنے متوفی شوہر کی چتا میں جل کر راکھ ہو جائیں اور اپنی وفاداری کا ثبوت پیش کریں، میاں بیوی کے تعلقات خواہ کتنے ہی کشیدہ ہو جائیں ہندو رسم ورواج میں طلاق کی گنجائش نہیں تھی، میراث وغیرہ کے بارے میں بھی ہندو مذہب کے قوانین انتہائی غیر عادلانہ تھے اس صورت حال نے ہندو قوم کے قائدین کو مجبور کیا کہ وہ غیر فطری اور ظالمانہ رسم ورواج کو ختم کرنے کے لئے پارلیمنٹ کے ذریعہ ہندو کوڈ بل پاس کرائیں، ہندو کوڈ بل دیوانی قوانین میں یکسانیت لانے کے لئے ہرگز منظور نہیں کیا گیا ورنہ اسپیشل میرج ایکٹ کے بعد ہندو میرج ایکٹ (۱۹۵۵ء) منظور کرانے کی کیا ضرورت تھی، علاوہ ازیں خود ہندو کوڈ بل کی مختلف دفعات میں بہت سے معاملات کو رسم ورواج پر چھوڑ دیا گیا ہے، ایسی صورت میں قانون میں یکسانیت کہاں پیدا ہوئی۔ (ملاحظہ ہو ہندو میرجز ایکٹ کی دفعہ (۱) ۱۷ اور (۲) ۱۷۔

چور دروازوں سے مسلم پرسنل لا میں مداخلت

ابھی تک مسلم پرسنل لا کو ختم کرنے کا راست اقدام نہیں کیا جا سکا ہے لیکن مختلف چور

دروازوں سے اس پر نقب لگائی جاتی رہی ہے، پارلیمنٹ اور مختلف صوبائی اسمبلیوں نے ایسے مختلف قوانین منظور کیے ہیں جن کی زد اسلام کے عائلی قوانین پر پڑتی ہے، تعزیرات ہند میں بھی ایسی متعدد دفعات شامل کی گئی ہیں جن سے مسلم پرسنل لا کا نفاذ بری طرح مجروح اور متأثر ہوا ہے اسی طرح سپریم کورٹ اور ہائی کورٹس کے بہت سے فیصلے بھی مسلم پرسنل لا میں دخل انداز ہوئے ہیں، افسوس ہے کہ اب تک ہمارے پاس ان قوانین اور فیصلوں کی مکمل فہرست بھی نہیں ہے جس سے پرسنل لا کے مختلف حصے مجروح ہوئے ہیں، بہت سے قوانین انتہائی خاموشی سے پارلیمنٹ اور صوبائی اسمبلیوں میں پاس ہوجاتے ہیں اور ہمارے مسلم اراکین پارلیمنٹ کو اس کی خبر بھی نہیں ہوتی کہ اس قانون کی زد کہاں پڑسکتی ہے، جب عدالتوں کے ذریعہ ان قوانین کے مطابق فیصلہ ہوتا ہے اور شاہ بانو کیس جیسی صورت حال پیدا ہوتی ہے تو ہمارے کان کھڑے ہوتے ہیں اور ہم آنکھ ملتے ہوئے مقابلہ کی تیاری شروع کرتے ہیں۔

یکساں سول کوڈ اور بھاجپائی حکومتیں

جسٹس کلدیپ سنگھ کے حالیہ فیصلہ کے بعد یونیفارم سول کوڈ کا مسئلہ پھر بحث ومباحثہ کا موضوع بن گیا ہے، قومی پریس میں اسلام کے عائلی قوانین کے خلاف انتہائی زہر افشانی کی جارہی ہے، طبقۂ نسواں کے تعلق سے مسلم سماج کی تصویر انتہائی مسخ کرکے پیش کی جارہی ہے اور مسلم خواتین کے حال زار پر آنسو بہائے جارہے ہیں، بھارتیہ جنتا پارٹی نے خاص طور پر اس مسئلہ کو ہوا دی ہے اور اسے اپنا انتخابی ایشو بنانے کا فیصلہ کیا ہے، یونیفارم سول کوڈ کے مسئلہ پر بھاجپائی قائدین اور وزراء اعلی کی کئی میٹنگیں ہوچکی ہیں انہوں نے مرکز پر زور دیا ہے کہ سپریم کورٹ کی ہدایت کے مطابق جلد از جلد یکساں سول کوڈ مدون اور نافذ کرے، بھاجپا نے یہ بھی فیصلہ کیا ہے کہ اگر مرکز نے اس مسئلہ کے بارے میں سردمہری کا ثبوت دیا تو جن صوبوں میں بھاجپا یا اس کی حلیف پارٹیوں کی حکومت ہے وہاں یکساں سول کوڈ جلد از جلد نافذ کیا جائے گا۔(گجرات، دہلی، راجستھان، مہاراشٹر)

کیا صوبائی حکومتیں مسلم پرسنل لا میں مداخلت کرسکتی ہیں؟

بھاجپا کے اس عزم اور فیصلہ پر بہت سے لوگوں کو حیرت ہے کہ کیونکہ دفعہ ۴۴ کی مخاطب مرکزی حکومت ہے اس کی رو سے مرکزی حکومت کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ ملک کے تمام شہریوں کے لئے یکساں سول کوڈ مدون کرنے اور نافذ کرنے کی کوشش کرے، دفعہ ۴۴ کے اعتبار سے یونیفارم سول کوڈ کی تدوین وتنفیذ کی ذمہ داری مرکزی حکومت پر عائد ہوتی ہے، صوبے اس کے مخاطب اور مجاز نہیں لیکن بھاجپا کے اس فیصلے پر استعجاب دستور ہند کے ناقص مطالعہ پر مبنی ہے، صورت حال یہ ہے کہ قانون سازی کے تعلق سے دستورِ ہند میں تین فہرستیں درج ہیں فہرست (۱) میں وہ امور گنائے گئے ہیں جن کے بارے میں قانون سازی کا اختیار صرف مرکزی حکومت کو ہے، فہرست (۲) میں وہ امور درج ہیں جن کے بارے میں قانون سازی کا اختیار صرف ریاستی حکومت کو ہے اور فہرست (۳) میں ان امور کا اندراج ہے جن کے بارے میں قانون سازی کا اختیار مرکزی حکومت کو بھی ہے اور صوبائی حکومتوں کو بھی، ان امور میں پرسنل لا کے مسائل بھی ہیں چنانچہ فہرست (۳) میں شامل پانچواں امر یہ ہے کہ دفعہ ۵، بیاہ وطلاق، اطفال ونابالغان، وصیتیں، وفات بلا وصیت اور وراثت خاندان مشترکہ اور بٹوارہ سب امور جن کے متعلق عدالتی کارروائی کے فریق اس آئین کی تاریخِ نفاذ کے عین قبل اپنے شخصی قانون کے تابع تھے۔ (بھارت کا آئین ص۷۵۳)

غرضیکہ پرسنل لا کے مسائل میں قانون سازی کا اختیار مرکز اور صوبوں دونوں کو ہے اس لئے اگر مختلف صوبوں کی بھاجپائی حکومتیں مسلم پرسنل لا کو ختم کرنے کے لئے اپنے صوبوں میں یکساں عائلی قوانین نافذ کریں تو ان کے لئے کوئی بڑی دستوری رکاوٹ موجود نہیں ہے، بہت سے بہت یہ ہوگا کہ شریعت اپلیکیشن ایکٹ ۱۹۳۷ء (جو ایک مرکزی قانون ہے) سے صوبائی قوانین کا ٹکراؤ ہوگا، ایسی صورت میں مرکزی حکومت اگر سنجیدگی سے اس پر کوئی ایکشن لینے کو تیار ہوگی تب تو ان صوبائی قوانین کی راہ میں کچھ قانونی رکاوٹ پیدا ہوسکتی ہے لیکن اگر مرکزی حکومت نے خاموشی اختیار کی تو تنہا مسلمانوں کی چارہ جوئی

سے ان صوبائی قوانین کو ختم کرانا انتہائی مشکل ہوگا، بنیادی حقوق کی دفعہ ۲۵ (جس میں اپنی پسند کا مذہب اختیار کرنے اور اس پر عمل کرنے اور اس کی تبلیغ کرنے کی آزادی دی گئی ہے) کس حد تک ان بھاجپائی صوبائی حکومتوں کے عزائم میں حائل ہوسکتی ہے یہ سمجھنا ان لوگوں کے لئے مشکل نہیں ہے جو سپریم کورٹ کے مختلف فیصلوں پر نگاہ رکھتے ہیں اور مسلم پرسنل لا کے بارے میں عدالت ہائے عالیہ کے اکثر جج صاحبان کا موڈ سمجھتے ہیں۔

اوپر کے صفحات میں یہ جائزہ پیش کیا گیا کہ موجودہ ہندوستان میں اسلام کے عائلی قوانین (مسلم پرسنل لا) اور اسلامی تشخص کو کیا خطرات درپیش ہیں، دستور ہند کی آڑ میں اسلام کی معاشرتی اور عائلی قوانین کو سبوتاژ کرنے کے لئے کس قدر منظّم اور مسلسل کوششیں ہورہی ہیں، اور دستور ہند مسلم پرسنل لاء کو کس حد تک تحفظ فراہم کرتا ہے۔

یکساں سول کوڈ اور اقلیتیں

یکساں سول کوڈ کا شوشہ بار بار چھوڑنے سے صرف مسلمان ہی نہیں بلکہ ملک کی دوسری اقلیتیں بھی مضطرب اور فکر مند ہیں، ۲۴ ر ستمبر ۱۹۹۵ء کو امرتسر میں منعقدہ عائلی سکھ کانفرنس میں سکھوں کے علاحدہ پرسنل لا پر زور دیا گیا اور کانفرنس نے یکساں سول کوڈ کو تسلیم نہ کرنے کا اعلان کیا۔ (قومی آواز لکھنؤ، ۲۵ ر ستمبر ۱۹۹۵ء)

ہندوستان میں آباد عیسائی (کرسچین) بھی اپنے علاحدہ پرسنل لا کو مرتب اور منظور کرانے کی جدوجہد میں لگے ہوئے ہیں، یونیفارسول کوڈ انہیں بھی تسلیم نہیں، بدھسٹوں کی طرف سے بھی اس قسم کی آواز اٹھ چکی ہے، بہت سے ہندو قبائل بھی یکساں سول کوڈ کے سیلاب میں بہنے کو تیار نہیں، انہیں اپنے قبائلی رسم ورواج اور طریقۂ زندگی پر حد درجہ اصرار ہے، خلاصہ یہ ہے کہ یکساں سول کوڈ مسلمانوں کے علاوہ ہندوستان کی دوسری مذہبی اور تہذیبی اقلیتوں کو بھی منظور نہیں، خود ہندوؤں کے بہت سے فرقے اور قبائل بھی اسے مسترد کرتے ہیں۔

اسی طرح ہندوؤں کے بہت سے اہل فکر و دانش یکساں سول کوڈ کے نعرہ کو بے وقت

کی راگنی اور بے فائدہ عمل تصور کرتے ہیں، یہ تو ہمارے قومی پریس کی سحر کاری ہے کہ اس نے یونیفارم سول کوڈ کے مطالبہ کو پوری قوم کا مطالبہ بنا کر پیش کیا ہے حالانکہ درحقیقت اس کے حامی بہت اقلیت میں ہیں، ہندوؤں کا ایک بہت مختصر اور جارح طبقہ ہی یکساں سول کوڈ کا داعی اور منادی ہے۔

اس لئے اگر دفعہ ۴۴ کی منسوخی کے لئے سنجیدہ اور منظم جدوجہد کی جائے تو اس کے لئے رائے عامہ ہموار کرنا کوئی دشوارتر کام نہیں، ظاہر ہے کہ یہ کام آنا فانا نہیں ہوسکتا ہے بلکہ اس کے لئے بڑی ہوشمندی اور حکمتِ عملی سے طویل جدوجہد کرنی ہوگی، ان تمام اقلیتوں اور مذہبی اور تہذیبی اکائیوں کو ساتھ لینا ہوگا جو یکساں سول کوڈ کو اپنے مذہب اور ثقافت کے لئے خطرہ تصور کرتی ہیں، افہام وتفہیم اور مذاکرات سے ہندو اہل سیاست اور اہل فکر ودانش کو بھی اس بات کا قائل بنانا ہوگا کہ یکساں سول کوڈ پر اصرار ملک کے لئے مفید نہیں بلکہ انتہائی ضرر رساں ہے، یکساں سول کوڈ کی جنگ چھیڑنے سے ہندوستانی قوم کی بہترین دماغی صلاحیتیں ملک کی تعمیر میں صرف ہونے کے بجائے بری طرح ضائع ہوں گی، باشندگانِ ملک کا ایک بڑا طبقہ اضطراب اور کشمکش میں مبتلا ہوگا اور ملک کی سیاست اور معیشت پر اس کے برے اثرات مرتب ہوں گے۔

یکساں سول کوڈ اور قومی یک جہتی

یکساں سول کوڈ کے حامیوں کی یہ فرمودہ دلیل اپنا وزن کھوچکی ہے کہ یکساں سول کوڈ کے نفاذ سے ملک میں اتحاد اور یک جہتی کو فروغ ہوگا، ظاہر ہے کہ جو قانون کروڑوں انسانوں کے مذہبی عقائد اور دینی جذبات کو بھینٹ چڑھا کر طاقت کے نشہ میں نافذ کیا جائے گا، اس کے ذریعہ ملک میں نفرت اور عداوت کی کاشت ہی ہوگی، ایسے قانون کے ذریعہ اتحاد و یک جہتی کو فروغ ہونے کے بجائے تفرقہ بندی اور بدامنی ہی کو فروغ ہوگا، اس لئے یہ کہنا بڑی بے عقلی اور ہٹ دھرمی کی بات ہے کہ یکساں سول کوڈ کے نفاذ سے قومی یک جہتی پیدا ہوگی۔

قانون اور طاقت کے زور پر یکساں شہری قانون (یونیفارم سول کوڈ) مرتب کر کے اسے نافذ کرنے کی بات کرنے والے اس حقیقت واقعہ کو کیوں نظر انداز کر دیتے ہیں کہ ملک کے بعض سرحدی صوبوں (مثلاً ناگالینڈ، میزورم وغیرہ) میں ملک کی آزادی کو ایک مدت گذرنے کے بعد اس وقت حالات پر قابو پایا جاسکا جب ملک کے دستور میں ان علاقوں کے باشندوں کو خصوصی تحفظات فراہم کئے گئے، ان کے مذہبی اور قبائلی رسم ورواج عدالتی سسٹم وغیرہ کو دستوری ضمانت دی گئی، بلکہ مرکزی پارلیمنٹ کی بالادستی کو قربان کرتے ہوئے دستور ہند میں یہ بات بھی شامل کرلی گئی کہ پارلیمنٹ کا پاس کردہ کوئی قانون جو فلاں فلاں امور سے متعلق ہو وہاں اس وقت تک نافذ نہیں ہوسکتا جب تک کہ علاقائی یا صوبائی اسمبلی اس کی توثیق نہ کر دے۔

مثلاً ریاست ناگالینڈ کے بارے میں دستور کے حصہ ۲۱ میں دفعہ ۳۷۱ (الف) اس طرح ہے:

دفعہ ۳۷۱-الف-(ا) اس آئین میں کسی امر کے باوجود

(الف) ناگاؤں کی مذہبی یا سماجی رسوم

(۲) ناگاؤں کے رواجی قانون

(۳) اور ضابطۂ دیوانی اور فوجداری عدل گستری، جس میں ناگاؤں کے رواجی قانون کے مطابق فیصلے شامل ہیں۔

(۴) اراضی اور اس کے ذرائع ووسائل کی ملکیت اور انتقال سے متعلق ہو۔

ریاست ناگالینڈ پر نہ ہوگا بغیر اس کے کہ ناگالینڈ کی قانون ساز اسمبلی قرارداد کے ذریعہ ایسا فیصلہ کرے (بھارت کا آئین ۲۰۰۱ء تک ترمیم شدہ) ص ۳۷۰-۳۷۱۔

میزورم کے بارے میں بھی اسی طرح کی خصوصی دفعہ وضع کر کے دستور ہند میں شامل کی گئی، چنانچہ دستور ہند کی دفعہ ۳۷۱ (ز) اس طرح ہے۔

۳۷۱ (ز) اس آئین میں کسی امر کے باوجود

الف- امور مندرجہ ذیل کے متعلق پارلیمنٹ کا کوئی ایکٹ میزورم ریاست کو تب تک لاگو نہیں ہوگا جب تک میزورم ریاست کی قانون ساز اسمبلی کی قرارداد کے ذریعہ اس طرح طے نہیں کیا جاتا ہے، یعنی

(۱) میزو لوگوں کی مذہبی یا سماجی رسوم

(۲) میزو روایتی قانون اور ضابطہ

(۳) سول اور فوجداری انصرام جہاں فیصلے میزو روایتی قانون کے مطابق ہوتے ہیں۔

(۴) ملکیت اور انتقال اراضی

بشرطیکہ اس فقرہ کی کوئی بات آئین (ترپینویں ترمیم) ایکٹ ۱۹۶۸ء کی تاریخ نفاذ سے ٹھیک پہلے میزورم یونین ریاستی علاقہ میں نافذ کسی مرکزی ایکٹ کو لاگو نہیں ہوگی۔ (بھارت کا آئین، ص ۳۲۷-۳۲۸، شائع کردہ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان ۲۰۰۱ء)

اقلیتوں خصوصاً مسلم اقلیت کے پرسنل لاز (عائلی شرعی قوانین) کو پامال کرنے کی کوشش خواہ عدلیہ کی طرف سے ہو یا مقننہ اور انتظامیہ کی طرف سے ملک کے مفاد میں نہیں ہے، ان اقدامات سے قومی یک جہتی کے بجائے منافرت کو فروغ ہوتا ہے اور ملک کی کسی چھوٹی سے چھوٹی اقلیت کو بھی فکر واضطراب میں مبتلا کر کے اور اس کے مذہبی جذبات واحساسات کو مجروح کر کے ملک ترقی نہیں کر سکتا۔

ایک ناگزیر عمل

دفعہ ۴۴ کی منسوخی یا اس میں استثناء کی مہم ایک ناگزیر عمل ہے جسے ہر قیمت پر انجام دیا جانا چاہئے، خواہ اس کے لئے کتنی ہی طویل اور صبر آزما جدوجہد کرنی پڑے، دستور ہند کے مرتب اور منظور ہونے کے بعد اس میں سو سے زائد بار تبدیلیاں ہو چکی ہیں لہذا اگر ہندوستان کی مذہبی اور تہذیبی اقلیتیں اور ہندوؤں کے مختلف قبائل اور فرقے جو یکساں سول کوڈ کے نظریاتی طور پر مخالف ہیں متحد ہو کر دفعہ ۴۴ کی منسوخی یا اس میں ترمیم واستثناء کے لئے منصوبہ بند اور منظم جدوجہد کریں تو اس میں کامیابی کوئی مشکل عمل نہیں ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ ہندوستان کے باشندوں میں یکساں سول کوڈ کے حامی بہت اقلیت میں ہیں لیکن ذرائع ابلاغ پر کنٹرول کی وجہ سے انہوں نے یہ تأثر پیدا کر دیا ہے کہ ہندوستان کی غالب اکثریت یونیفارم سول کوڈ کے حق میں ہے، یکساں سول کوڈ کی مخالفت میں اگر لاکھوں کا مجمع ہو جائے تو بھی اسے ہمارا قومی پریس کوئی اہمیت نہیں دیتا، اگر بڑی سیر چشمی کا مظاہرہ کیا تو اخبار کے کسی گوشہ میں مختصر سی خبر دیدی کہ چند سو قدامت پرست یکساں سول کوڈ کی مخالفت میں جمع ہوئے، اس کے برخلاف اگر چند نام نہاد ''ترقی پسندوں'' نے یکساں سول کوڈ کی حمایت اور وکالت میں کوئی جلسہ یا سمپوزیم کیا جس میں بہ مشکل چند درجن لوگ شریک ہوئے تو ہمارا قومی پریس اس کی خبروں کو شہ سرخیوں میں جگہ دیتا ہے، انگریزی اور ہندی کے بڑے اخبارات کے کئی کئی کالم اور صفحات اس کے لئے وقف کر دئے جاتے ہیں۔

پرسنل لاز کو دستوری تحفظ دینے کا مطالبہ

میرا خیال یہ ہے کہ اقلیتوں کے پرسنل لاز کی حفاظت کے لئے محض دفعہ ۴۴ کی منسوخی بھی کافی نہیں ہے بلکہ دستور کے بنیادی حقوق کی دفعات میں کسی مناسب جگہ پر مسلم پرسنل لا اور دوسری اقلیتوں کے پرسنل لاز کی حفاظت کی دفعہ بھی شامل کی جانی چاہئے تاکہ چور دروازوں سے مسلم پرسنل لا وغیرہ میں مداخلت کا سلسلہ بند ہو، صورت حال یہ ہے کہ آزادی کے بعد مرکزی پارلیمنٹ اور صوبائی اسمبلیوں نے مختلف قوانین منظور کر کے دانستہ یا نادانستہ طور پر مسلم پرسنل لا میں مداخلت کی ہے، کریمنل لا (قانون تعزیرات) کی مختلف توضیعات سے اسلام کے عائلی قوانین پر زد پڑتی ہے، یوپی کے خاتمۂ زمینداری ایکٹ نے عورتوں کو زرعی زمینوں میں وراثت پانے سے محروم کر رکھا ہے۔

دستور ہند میں دئے ہوئے حق قانون سازی کے مطابق پرسنل لا کے دائرہ میں شامل امور (نکاح، طلاق، وراثت وغیرہ) کے بارے میں قانون سازی کا اختیار مرکزی حکومت اور صوبائی حکومت دونوں کو ہے، ملاحظہ ہو دستور ہند کی دفعہ ۲۶۴ فہرست ۳ کا نمبر ۵۔ دستور ہند کی دفعہ ۴۴ پر جس کے حوالے سے موجودہ حکومت ہند یونیفارم سول کوڈ نافذ

کرنے کی ٹھانے ہوئے ہے اور ہر قیمت پر اسے پارلیمنٹ سے منظور کرانا اور نافذ کرنا چاہتی ہے۔ یہ دفعہ دستور کے چوتھے باب ''مملکت کی حکمت عملی کے رہنما اصول'' کے ذیل میں آتی ہے۔

اس باب میں کل پندرہ دفعات ہیں۔ دستور ہند کا یہ باب چہارم دفعہ ۳۶ سے شروع ہوکر دفعہ ۵۱ پر ختم ہوجاتا ہے۔ دستور کے اس باب کی ۱۳ دفعات (دفعہ ۳۸ تا ۵۱) جن میں رہنما ہدایات دی گئیں ہیں ان کا جب ہم جائزہ لیتے ہیں، تو یہ بات صاف طور سے محسوس ہوتی ہے کہ ہندوستان کی حکومتوں نے بہت سی دفعات کونظر انداز کر رکھا ہے، بلکہ وہ جن پالیسیوں پر عمل پیرا ہیں، وہ پالیسیاں رہنما اصولوں کی دفعات کی صریح خلاف ہیں اور ملک کو ان دی گئی ہدایات کے بالکل مخالف سمت میں لے جایا جارہا ہے۔

مثلاً دفعہ ۳۹ میں ہے:

حکمت عملی کے کچھ اصول، جن پر مملکت عمل کرے گی، مملکت اپنی حکمت عملی کو خاص طور سے اس امر کے اطمینان کے لئے عمل میں لائے گی کہ (الف) مرد اور عورت سب شہر یوں کو مساوی طور پر معقول ذرائع معاش کا حق حاصل ہو۔

(ب) قوم کے مادی وسائل کی ملکیت اور ان پر نگرانی کی اس طرح تقسیم ہو، جس سے حتی المقدور عام بھلائی مقصود ہو۔

(ج) معاشی نظام اس طرح نہ چلایا جائے جس سے دولت اور پیداوار کے ذرائع ایک جگہ جمع ہوکر عوام کے لئے مضرت رساں ہوں۔

بھارت کا آئین سہ لسانی ایڈیشن ص (۲۲۳)

دستور کی دفعہ ۳۹ الف یہ ہے۔

مساویانہ انصاف اور مفت قانونی امداد۔ مملکت اس امر کو یقینی بنائے گی کہ قانونی نظام پر ایسا عمل درآمد ہو، جس سے مساوی مواقع فراہم کرتے ہوئے انصاف کو فروغ ہو اور بالخصوص مناسب قانون سازی سے یا اسکیمیں مرتب کرکے یا کسی دیگر طریقے سے مفت

قانونی امداد، اس طرح فراہم کی جائے جس سے اس امر کا تیقن ہو کہ معاشی یا دیگر نا اہلیتوں کی بنا پر کسی شہری کو انصاف حاصل کرنے کے حق سے محروم نہیں رکھا گیا ہے۔

(بھارت کا آئین سہ لسانی ایڈیشن ص ۲۲۴)

دفعہ ۴۳ الف ہے

صنعتوں کے انتظام میں کام گاروں کا اشتراک

مملکت مناسب قانون سازی کے ذریعہ یا کسی دیگر طریقہ سے ایسے اقدامات کرے گی جن سے کسی صنعت سے وابستہ اداروں یا کارخانوں یا دیگر تنظیموں کے انتظامیہ میں کام کرنے والے اشخاص کے اشتراک کی ضمانت ہو۔

(بھارت کا آئین ص ۲۲۵)

اس باب کی دفعہ ۴۷ ہے۔

مملکت اپنے لوگوں کی غذائیت کی سطح اور معیار زندگی کو بلند کرنا اور صحت عامہ کو ترقی دینا اپنے اولین فرائض میں شمار کرے گی، اور خاص طور سے مملکت اس امر کی کوشش کرے گی کہ طبی اغراض کے سوا نشہ آور مشروبات اور مضر صحت مفرد ادویہ کے استعمال کی ممانعت کرے گی (۲۲۷)

اگر ہم باب چہارم کی تمام دفعات کا تفصیل سے جائزہ لیں، تو یہ بات واضح ہو جائے گی کہ ان میں سے اکثر دفعات کو یا تو ہماری حکومتوں نے نظر انداز کر دیا ہے۔ یا ان پر عمل آوری کے سلسلے میں ایک قدم بھی نہیں بڑھایا ہے، یا ان دفعات کے خلاف اقدامات کئے ہیں اور پالیسیاں بنائی ہیں، ملک میں معاشی توازن قائم کرنا جو حکومت کی اہم ذمہ داری ہے، اس سے تمام حکومتوں کی چشم پوشی، بلکہ اس کے خلاف اقدامات کرنا بدیہی حقیقت ہے۔ آج صورت حال یہ ہے کہ ملک کی دولت کا (۷۰) ستر فیصد (۱۰۰) سو سے کم سرمایہ داروں کی ملکیت اور کنٹرول میں ہے اور ملک کی آبادی کا ایک بڑا حصہ ضروریات زندگی کو ترس رہا ہے ان کے پاس صبح و شام کا کھانا بھی نہیں ہے۔ اور شراب بندی نیز منشیات کی

روک تھام، جس پر ہندوستان کی حکومتوں کو باب چہارم کی ہدایات کے مطابق بھر پور توجہ دینی چاہیئے تھی ان پر کوئی کنٹرول نہیں ہے، بلکہ شراب اور منشیات کی لت بڑھتی جا رہی ہے اور نسلوں کو تباہ کر رہی ہے۔

ان تمام اہم کاموں کو چھوڑ کر موجودہ حکومت ہند کی پوری کوشش ہے کہ دفعہ ۴۴ پر عمل کرے اور یونیفارم سول کوڈ کو پارلیمنٹ سے پاس کرا کر نافذ کر دے۔ حالاں کہ حکومت کے پاس یونیفارم سول کوڈ کا کوئی خاکہ بھی نہیں ہے۔

اتراکھنڈ کی بھاجپا حکومت نے صوبائی سطح پر جو یونیفارم سول کوڈ متعارف کرایا ہے وہ یونیفارم سول کوڈ ہرگز نہیں ہے، بلکہ اسلامی شریعت کے چند قوانین میں مداخلت کی بدبختانہ کوشش ہے، جسے کسی حال میں قبول نہیں کیا جا سکتا۔ اس وقت تو موجودہ حکومت خالص سیاسی مقاصد کیلئے یونیفارم سول کوڈ کا شور مچا رہی ہے اور ہندو مسلم منافرت کا ماحول پیدا کر کے الیکشن میں کامیابی کی اسکیمیں بنا رہی ہے۔

اگر حکومت اپنے اس اقدام میں سنجیدہ اور بہی خواہ ہوتی اور واقعۃً پورے ملک کے لئے یکساں سول کوڈ بنانے کیلئے پرعزم ہوتی تو اسے سب سے پہلے دستور کی دفعہ ۳۷۱ کے ختم کرنے کا اقدام کرنا چاہیئے تھا، جس طرح اس نے کشمیر سے متعلق دستور کی دفعہ ۳۷۰ کو یک لخت ختم کیا۔ کیوں کہ دفعہ ۳۷۱ میں ناگالینڈ- آسام- منی پور- آندھرا پردیش، سکم، میزورم، اروناچل وغیرہ کے بارے میں جو تحفظات دئے گئے ہیں، ان کی موجودگی میں وہاں کے لوگوں پر یونیفارم سول کوڈ کا نفاذ نہیں ہوسکتا۔ خواہ اسے قانون ساز اداروں سے منظور کرا کر نافذ بھی کر دیا جائے، اس طرح کئی کروڑ لوگ اس قانون کے اطلاق سے خارج رہیں گے اس لئے ہندوستان میں قائم ہونے والی جو حکومت بھی نتائج سے آنکھیں بند کر کے دفعہ ۴۴ کو پورے ملک میں نافذ کرنا چاہے۔ اس کیلئے یہ ضروری ہوگا کہ پہلے دفعہ ۳۷۱ کو ختم کرے۔

خود ہندوؤں میں پرسنل لا کے مسائل میں جتنے اختلافات ہیں اور جتنے مختلف رسم و رواج ہیں ان کے پیش نظر صرف ہندوؤں کے لئے بھی پرسنل لا کے مسائل میں یکساں

قانون نہیں بنایا جا سکتا اسی لئے ہندو کوڈ بل میں قدم قدم پر یہ ذکر کیا گیا ہے، کہ جہاں کوئی دوسرا کسٹم یا رواج ہو وہاں اس کے مطابق عمل کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ ملک کے حکمرانوں کو توفیق دے کہ اپنے وقتی سیاسی مقاصد کیلئے ایسے اقدامات نہ کریں جن سے ملک کو نقصان پہونچے اور باشندگان ملک کے درمیان امن و بھائی چارگی کے بجائے عداوت و منافرت پیدا ہو۔

خدانخواستہ اگر موجودہ حکومت اپنے گھٹیا سیاسی مقاصد کیلئے سوچے سمجھے بغیر عجلت میں یونیفارم سول کوڈ کے نام پر کوئی ایسا قانون لے آتی ہے جو اسلامی شریعت کے خلاف ہو تو مسلمانوں کے لئے قابل قبول نہیں ہوگا۔ مسلمانوں نے اللہ کی بندگی اختیار کی ہے وہ اللہ کی اتاری ہوئی شریعت پر عمل کرنے کے پابند ہیں۔ اپنی خوشی سے وہ اپنے اوپر شریعت کو نافذ کریں گے۔ اور ماضی کی طرح مستقبل میں بھی اسلامی راستے پر گامزن رہیں گے جوان کیلئے دنیا اور آخرت میں کامیابی کا راستہ ہے۔

☆☆☆☆☆☆